مولانا محمد متین ہاشمی بحیثیت مفسّر قرآن

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

یوں تو دنیا ایک چل چلاؤ کا نام ہے۔ ہر روز لاکھوں مسافر، اپنی زندگی کا سفر طے کر کے اپنی منزل مراد تک پہنچ رہے ہیں، مگر ان جانے والوں میں چند لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں دنیا کوشش کے باوجود نہیں بھلا سکتی۔ مولانا محمد متین ہاشمی صاحب مرحوم کا شمار بھی انہی شخصیات میں ہوتا ہے۔

مولانا کی زندگی کی متعدد جہات ہیں: وہ بیک وقت مدرس بھی تھے اور واعظ بھی۔ وہ ایک مذہبی رہنما بھی تھے اور ایک سیاسی قائد بھی۔ وہ علوم اسلامیہ کے ماہر بھی تھے اور فلسفہ قرآنی پر گہری بصیرت رکھنے والے مفسّر بھی۔ ان کی ہر ایک حیثیت تفصیل کی متقاضی ہے، ذیل میں ان کی مفسّرانہ حیثیت پر چند معروضات پیش کی جارہی ہیں۔ اس توقع سے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس سعادت سرمدی سے حصّہ نصیب فرمائے جس سے اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو سرفراز کیا تھا۔

۱۔ علم تفسیر اور اس کی عظمت

کسی بھی علم کی اہمیت اور اس کی عظمت کا مدار اس بات پر ہوتا ہے۔ کہ اس "علم" کا موضوع (SUBJECT) کیا ہے: اور جس علم کا موضوع (SUBJECT) الفاظ و معانی قرآن کی توضیح و تشریح ہو، اس کی پاکیزگی، عظمت اور تقدیس سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے، اور "تفسیر کے علم" کو یہی خصوصیت حاصل ہے؛

۲۔ تفسیر کے لغوی معنی تفسیر کا مادہ ف۔س۔ر (فسر الشئ یفسرہ) ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی شئ کو "ظاہر کرنا"، "کھولنا"۔ "الفسر"، کے اصلی معنی ہیں کسی ڈھانپی ہوئی شئ پر سے پردہ ہٹانا۔ چنانچہ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں:

الفسر کشف والتفسیر کشف المراد عن اللفظ المشکل[۱]

"تفسیر"، کے معنی ہیں۔ کسی مستور شئ کو کھولنا اور تفسیر کا مفہوم ہے کسی مشکل لفظ کی مراد کو کھول کر بیان کرنا۔

اسی طرح امام الفیروز آبادی لفظ تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں:

الفسر الابانۃ وکشف المغطی[۲]

"الفسر کے معنی بیان کرنا اور مخفی شیء کو کھولنا ہیں۔

ایک اور محقق علامہ ابن حبان نے تفسیر کے لغوی معانی میں وسعت پیدا کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اور لفظ "تفسیر"، کسی شئ کو "برہنہ"، کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ثعلب کا قول ہے، "فسّرت الفرس" (یعنی) میں نے گھوڑے کو برہنہ کیا۔ تاکہ وہ چلے۔ یہ مفہوم "کشف" (کھولنے) ہی کے مفہوم پر مبنی ہے، گویا اس نے گھوڑے کی کمر کو کھول دیا۔ تاکہ وہ تیز رفتاری سے چلے[۳]

ہندوستان کے مشہور محقق عالم قاضی محمد ثناء اللہ نے اس کی بابت لکھا ہے:

واصل التفسیر من التفسر وھی الدلیل من الماء الذی تنظر فیھا الطبیب فیکشف عن علۃ المرض کذالک التفسیر عن شان الآیۃ[۴]

۱۔ لسان العرب، ۶ : ۳۶۱ (بذیل مادہ)

۲۔ القاموس، ۲، ۱۱۰

۳۔ تفسیر البحر المحیط، ۱ : ۱۳

۴۔ التفسیر المظہری، دہلی، بار دوم، ۷ : ۲۵۔

"اور تفسیر کا اصل "تفسر" ہے، اس سے مراد طبیب کا قارورہ دیکھنا ہے، تاکہ وہ مرض کی علت جان سکے۔ اسی طرح تفسیر میں آیت کی شان معلوم کی جاتی ہے"[۱]

اس تمام تصریح سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ "تفسیر" کے لغوی مفہوم میں کسی شئی کو کھولنے اور واضح کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہی مفہوم اس کے اصلاحی معانی کے لیے "اساس" ثابت ہوا۔

۳۔ اصطلاحی معنی متقدمین کے نزدیک "تفسیر" کے اصطلاحی مفہوم کے لیے یہ کہہ دینا کافی تھا، کہ:

"تفسیر کلام اللہ کے مطالب کو بیان کرنے یا اس کے الفاظ و حروف کی تشریح کا نام ہے"[۱]

لیکن متاخرین نے تفسیر کی اصطلاحی تشریح میں شرح و بسط سے کام لیا ہے، علامہ الزرکشی لکھتے ہیں:

هُوَ علم مايبحث به كتاب الله المنزل على نبيه محمد صلى الله عليه وسلم وبيان معانيه واستخراج احكامه وحكمه[۲]

"وہ ایک ایسا علم ہے، جو اس کتاب اللہ سے بحث کرتا ہے، جو اس کے نبی برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، اور اس کے معانی کی تشریح کرنا اور اس کے احکام اور حکمتوں کی تخریج کرتا ہے،"

امام ابوحیان الاندلسی نے اس کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

هو علم يبحث عن كيفية النطق بالفاظ القرآن ومدلولاتها واحكامها الافرادية والتركيبية ومعانيها التي يحمل

---

[۱] المبادی النصریہ، مطبوعہ مطبع الخیریہ، ۱۳۲۰ھ ص ۲۵ - ۲۶

[۲] السیوطی: الاتقان، ۲: ۱۷۴۔

[۳] البحر المحیط، ۱: ۱۳ - ۱۴

علیھا حالۃ التّرکیب وتتمات لذالك[1]

"یہ ایک ایسا علم ہے، جو الفاظ قرآن کی کیفیت نطق، اس کے مدلولات، اس کے علیٰحدہ علیٰحدہ اور مرکب حالت میں احکام، اور ان معانی سے جن پر حالت ترکیب میں انھیں محمول کیا جا سکتا ہے اور اس سے متعلقہ مسائل سے بحث کرتا ہے۔

متأخرین میں سے نواب صدیق حسن خان کی تعریف بھی قابل توجہ ہے، وہ لکھتے ہیں:

ھُوَ علم باحث لمعنی نظم القرآن بحسب الطاقۃ البشریہ وبحسب ما یقتضیہ القواعد العربیہ[2]

"وہ ایک ایسا علم ہے۔ جو نظم قرآن کے بشری طاقت اور قواعد عربیہ کے تقاضوں کے مطابق۔ معانی سمجھنے سے بحث کرتا ہے۔

تاہم مفتی محمد عبدہٗ المصری نے اس کے مفہوم میں دینی رہنمائی کا پہلو شامل کرکے، ایک نئی جہت پیدا کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

التفسیر ھو فھم الکتاب من حیث ھُوَ یرشد الناس الیٰ ما فیہ سعادتھم الدنیا وحیاتھم الآخرۃ[3]

"تفسیر سے مراد ہے، قرآن مجید کو اس طرح سمجھنا کہ جس طرح وہ لوگوں کی دنیوی سعادت اور اُخروی زندگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

ماہرین کی ان عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ "تفسیر قرآن" کا علم، "قرآن مجید" کے الفاظ و معانی کو سمجھنے، اس کے مشکل الفاظ کی توضیح و تشریح کرنے، اور اس سے دنیوی اور اُخروی زندگیوں سے رہنمائی حاصل کرنے سے عبارت ہے۔ آخری معنی جو مفتی محمد عبدہٗ کی تعریف پر مبنی ہے ہمارے لیے اس لیے بھی زیادہ اہم ہے، کیونکہ مولانا محمد متین ہاشمی صاحب

---

[1] البحر المحیط، ۱: ۱۳-۱۴

[2] ابجد العلوم، ۱: ۱۰۴

[3] محمد رشید رضا مصری: تفسیر المنار، قاہرہ ۱۳۴۶ھ، ۱: ۱۷

کی " تفسیرات قرآن "، کا یہی بنیادی مقصد ہے۔ جیسا کہ آئندہ اوراق میں ذکر آئے گا۔

۴۔ ضرورت و اہمیت

" قرآن حکیم " کلام الٰہی کے اس پاکیزہ وجود کا نام ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم الشان پیغمبر، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہتم بالشان طریقے پر نازل فرمایا، اور جسے رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیے دنیوی اور اُخروی فوز و فلاح کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے جس سے انسانوں کے گروہ در گروہ اور لشکر در لشکر اپنے اپنے مسائل و احکام کے لیے اور اپنی ذاتی اور اجتماعی ضروریات کی بجا آوری کے لیے " رجوع " کرتے رہیں گے۔ اس لیے چودہ صدیاں بیت جانے کے باوجود اس سے استفادے کے لیے تفسیر نویسی کا سلسلہ نہ تو منقطع ہوا ہے۔ اور نہ اس کی ضرورت و اہمیت میں کمی واقع ہوئی ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عہد صحابہؓ و تابعین میں باوجود تمام لوگوں کے " اہل لسان " ہونے کے، اس کے مشکل الفاظ کی توضیح و تشریح کے لیے، اپنے بزرگوں کی طرف رجوع کیا گیا۔ یہاں بطور مثال کے، سنن ابی داؤد اور دیگر کتب احادیث میں مذکور، دو واقعات کی طرف توجہ مبذول کرانا مناسب ہوگا۔

ایک واقعہ تو وہ ہے، جس میں مذکور ہے، کہ جب قرآن مجید کی آیت:

كُلُوا واشربُوا حتّٰى يتبيّن لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر [۱]

" اور کھاؤ اور پیو۔ تا آنکہ سفید دھاگا کالے دھاگے سے فجر کے وقت واضح ہو جائے۔

تو ایک صحابی (عدی بن حاتم) نے اپنے تکیے کے نیچے سیاہ اور سفید دھاگے رکھ لیے تھے اور جب تک سفید دھاگا نظر نہ آتا تھا، وہ روزے کی راتوں میں کھانے پینے کا عمل جاری رکھتے تھے۔

---

[۱] البقرہ (۲ : ۱۸۷)۔

دوسرا واقعہ آیۂ تیمم[1] کے وقت پیش آیا، جب ایک صحابی رضؓ نے حالت جنابت میں تیمم کے لیے، اپنے پورے جسم کو "مٹی آلود" کر لیا تھا۔ اور یہ خیال کیا تھا کہ شاید "غسل جنابت کے قائم مقام تیمم میں یہ سب کچھ کرنا ضروری ہے[2]

ان واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ اگر "آیات قرآنیہ" کے فہم کے لیے صحابہ کرامؓ کو تفسیر کی ضرورت پیش آسکتی ہے، تو عام انسانوں کو تو بدرجۂ اولیٰ اس کی ضرورت ہوگی۔

اسی بنا پر نزول قرآن مجید کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو یقین دہانی کرائی گئی تھی، اس میں نہ صرف الفاظ قرآن کی جمع و ترتیب کا ذمہ کیا گیا تھا، بلکہ اس میں ان کی توضیح و تشریح کی ذمہ داری بھی خود اٹھائی گئی ہے۔ چنانچہ سورۃ القیامۃ میں ہے:

لاتحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرآنه[3]

"(اے محمد) وحی کے پڑھنے کے لیے اپنی زبان نہ چلایا کرو، کہ اس کو جلدی یاد کرلو۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔

اسی لیے نزولِ قرآن حکیم کے ساتھ ہی، اس کی توضیح و تشریح کا آغاز ہوگیا۔ اور اس کے پہلے مفسر و شارح خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور آپ کے بعد، خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام نے، اور عہد صحابہ کے بعد، تابعین نے اور تابعین کے بعد تبع تابعین نے اور اس کے بعد امت کے بہترین لوگوں اس فریضے کی تکمیل فرمائی اور یہ سلسلہ نہ صرف یہ کہ ہم تک آپہنچا ہے، بلکہ یہ بابرکت سلسلہ اسی طرح جاری و ساری رہے گا۔

چنانچہ قرآن مجید کی "تفسیروں" کی تعداد بلا مبالغہ ہزاروں میں ہے۔ رہی چیدہ چیدہ سورتوں کی تفسیریں، تو ان کی تعداد تو بلاشبہ کئی گناہ زیادہ ہے۔ مولانا محمد متین ہاشمی کو بھی ایسے ہی مفسرین کی صف میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ جنہوں نے چند سورتوں کی تفسیر تصنیف فرمائی۔

---

[1] المائدہ ۔ (۵ : ۶)

[2] سنن ابی داؤد : ۲۲۸ ۔ ۲۲۹، حدیث ۳۲۱ ۔ ۳۲۳؛ سنن الترمذی، ۵ : ۲۱۱ ح : ۲۹۷۱ ۔

[3] القیامۃ (۷۵ ، ۱۷)

۵۔ ضروری علوم برائے تفسیر

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ "تفسیر نویسی" کا حق کسے حاصل ہے؟ آیا ہر کس وناکس کو اجازت ہے۔ کہ وہ قرآنی الفاظ معانی سے کھیلے؟ یا اس کے لیے کوئی "علمی اور فکری معیار مقرر ہے؟

اس سلسلے میں تمام قدیم وجدید علماء اس بات پر متفق ہیں۔ کہ "تفسیر نویسی" کے لیے یوں تو علوم کی کوئی حد ([illegible]) مقرر نہیں ہے۔ مفسّر خواہ کتنے ہی علوم کا ماہر کیوں نہ ہو، "حق تفسیر"۔ ادا نہیں کر سکتا، البتہ اس کے لیے کم ازکم پندرہ علوم کا مفسّر کی بنیادی اہلیت کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اور یہ لکھا ہے۔ کہ ان علوم میں مہارت اور ممارست کے بغیر قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنا درست نہیں ہے۔ ان علوم کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ علم لغت۔
۲۔ علم نحو۔
۳۔ علم صرف۔
۴۔ علم اشتقاق۔
۵۔ علم المعانی والبیان والبدیع (فصاحت و بلاغت کے بنیادی قواعد کا علم)۔
۶۔ علم القراءات۔
۷۔ علم اصول الدین یا علم العقائد۔
۸۔ علم اصول الفقہ۔
۹۔ علم الفقہ۔
۱۰۔ علم اسباب النزول۔
۱۱۔ علم قصص القرآن۔
۱۲۔ علم الناسخ والمنسوخ۔
۱۳۔ علم اصول حدیث
۱۴ علم حدیث

۱۵ ۔ علم اصول التفسیر[۱]

نواب صدیق حسن خان نے اس پر سولہویں علم "علم الموہبۃ" کا بھی اضافہ کیا ہے، جس سے علم لدنی مُراد ہے ۔ لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، یہ پندرہ علوم "تفسیری علوم" کی آخری حد نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ابتدائی حد ہے، اسی لیے علم تفسیر سے تعلق رکھنے والے متعدد علوم، مثلاً علم تاریخ، علم جغرافیہ، یا ارض القرآن، علم سیرۃ، اور علم تصوّف اس فہرست میں شامل نہیں ہیں حالانکہ تفسیر نویسی کے لیے، ان علوم کی اہمیت بخوبی عیاں ہے ۔

علیٰ ہذا القیاس اگر "تفسیر" کسی اور زبان میں لکھی جارہی ہو تو عربی زبان کے ساتھ ساتھ مطلوبہ زبان میں مہارت اور اس کے بنیادی قواعد پر عبور کا حاصل ہونا بھی۔ اس کی اساسی شرائط میں سے ہے ۔ اس طرح مفسّر کے لیے بہت سے علوم میں مانع نظری کا حاصل ہونا ضروری ہے ۔

۶ ۔ مولانا محمد متین ہاشمی کی تفسیری خدمات

ان تمہیدی کلمات کے بعد اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور وہ مولانا محمد متین ہاشمی کی تفسیری خدمات ہیں ۔ مولانا نے تفسیر قرآن حکیم پر جو ذخیرہ چھوڑا ہے ۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

۱ ۔ **تفسیر سورۂ یٰس :** سورۂ یٰس کی یہ تفسیر مولانا نے مشرقی پاکستان کے زمانۂ قیام میں عام فہم اور سلیس اردو زبان میں تصنیف فرمائی تھی ۔ اور وہاں متعدد بار شائع ہوئی تھی، مگر مولانا چاہتے تھے، کہ اس پر نظر ثانی کی جائے ۔ اور اس میں ضروری اضافات کیے جائیں، بالآخر ۱۹۹۰ء میں مولانا کی اس خواہش کی تکمیل ہوئی، اور یہ کتاب نظر ثانی اور ضروری اضافہ جات کے ساتھ اپریل ۱۹۹۰ء میں ظل الرحمان انصاری صاحب کے تعاون سے ۔ خوبصورت کاغذ اور دیدہ زیب چھپائی کے ساتھ شائع ہوئی، متوسط تقطیع پر اس کے ۲۱۰ صفحات ہیں ۔ اس کی عمدہ طباعت پر بالخصوص طابع مبارکباد کے مستحق ہیں ۔

۲ ۔ **آخری سُورتوں کی تفسیر :** اس مجموعے میں، جسے "تحریک ولی اللہی پاکستان"

---

[۱] نواب صدیق حسن خان : ابجد العلوم، مطبوعہ بھوپال، ص ۴۰۲ ؛ نیز سعید احمد اکبر آبادی : فہم قرآن،

نے شائع کیا، قرآن مجید کی، سورۂ فاتحہ سمیت کل ۲۳ سورتوں کی تفسیر شامل ہے، اس کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس کتاب کا یہ چھٹا ایڈیشن ہے۔ جو ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔

اس مجموعے کا آغاز سورۃ الفاتحہ سے ہوا ہے اور اس میں سورۃ الضحیٰ سے سورۃ الناس تک کی سورتوں کی تفسیر شامل ہے۔

۳۔ **تفسیری مواعظ**: مذکورہ بالا دو مجموعوں کے علاوہ مولانا مرحوم کے بے شمار تفسیری مواعظ بھی ہیں، جو آپ نے ریڈیو۔ پاکستان ٹی وی اور مساجد اور علمی اور فکری مجالس میں دیے۔ اور ان میں قرآن مجید کی مختلف سورتوں اور آیات کی تفسیر دلنشیں انداز میں بیان فرمائی۔ ان میں سے کچھ مواعظ اور خطبات کی کیسٹیں (cassettes) موجود ہیں مگر ہمارے لیے بوجوہ، ان کے بارے میں کچھ لکھنا، ممکن نہیں ہے، اس لیے ہماری تمام گفتگو اول الذکر دونوں مجموعوں سے متعلق ہو گی۔

د۔ تفسیری غرض و غایت: تدبّر و تذکر بالقرآن

کسی بھی تفسیر یا تفسیری مجموعے پر غور و فکر کے لیے یہ ضروری ہے، کہ "تفسیر نویسی" کے اساسی مقصد کو پیش نظر رکھا جائے، اس لیے کہ تفسیر نویسی کے کئی مقاصد ہو سکتے ہیں: مثلاً:

۱۔ پڑھنے والے کی معلومات میں اضافہ

۲۔ قرآنی واقعات اور قصص کی شرح و تفصیل اس قسم کے مجموعوں کو "قصص قرآن" کہا جاتا ہے۔

۳۔ قرآنی الفاظ کے پڑھنے اور تلفظ کرنے کے قواعد بیان کرنا۔ اس نوع کے مجموعوں کو "قراءت" کے مجموعے کہا جاتا ہے۔

۴۔ قرآنی الفاظ و جملوں کی صرفی اور نحوی تحقیق، ابتدائی زمانے میں اس مقصد کو سامنے رکھ کر متعدد کتابیں تصنیف کی گئیں۔

۵۔ قرآنی احکام کی توضیح و تشریح۔ اس قسم کی تفسیروں کو "احکام القرآن" کا نام دیا

جاتا ہے۔

۶۔ قرآن مجید کے اصل مقصد "ہدایت عامہ" یا "صراطِ مستقیم" کی طرف رہنمائی کرنے کو سامنے رکھ کر لکھی گئی تفاسیر۔

۷۔ عمومی تفاسیر جس میں دنیا کی اکثر بڑی بڑی تفاسیر شامل ہیں

۸۔ صوفیانہ یا اشاری تفاسیر: اس قسم میں صوفیائے کرام کی تصنیف کردہ تفاسیر شامل ہیں،

۹۔ قرآن مجید کے متعدد نزول "تذکیر وموعظ" کو نمایاں کرنے کے لیے لکھی گئی تفاسیر

مؤخر الذکر عنوان کے متعلق یہ اضافہ کیا جاسکتا ہے، کہ

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِىْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ [1]

(اے محمد) اور پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان سے ہم تمہارے دل کو قائم رکھتے ہیں، اور ان (قصص) میں تمہارے پاس حق پہنچ گیا۔ اور یہ مومنوں کے لیے نصیحت اور عبرت ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ہے:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ [2]

"یہ (قرآن) تو نصیحت ہے، تو جو چاہے اپنے پروردگار تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرے"۔

اسی طرح سورۂ یونس میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ [3]

---

[1] سورۂ ہود۔ (۱۱ : ۱۲۰)

[2] سورۂ المزمل۔ (۷۳ : ۱۹)

[3] سورۂ یونس۔ (۱۰ : ۵۷)

"اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی شفا۔ اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔

اس طرح قرآن مجید نے اپنے نزول کا ایک اہم ترین منصوبہ جتلایا ہے۔ کہ لوگوں کو نصیحت کی جائے اور انہیں مختلف پہلوؤں سے تذکیر و موعظہ کی جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بہت سی تفسیروں پر تذکیر و موعظہ کا رنگ غالب ہے۔

ہمارے خیال میں مولانا محمد متین ہاشمیؒ کے زیر نظر دونوں مجموعوں میں بھی یہی رنگ غالب نظر آتا ہے، اسی لیے انہوں نے تفسیر کے لیے قرآن مجید کی ان سورتوں کا انتخاب فرمایا جن میں یہی رنگ غالب ہے، اور ان میں بہت کم احکام اور مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ اسی طرح ان دونوں مجموعوں میں حوالہ جات کی بھی بھرمار نظر نہیں آتی۔ کیونکہ بقول مؤلف:

"یہ کتاب عوام کے لیے لکھی گئی ہے۔ اسلیے اس میں حوالے بہت کم دیے گئے ہیں، تاہم جتنی باتیں لکھی گئی ہیں وہ سب مستند عربی اور اردو تفسیروں سے اخذ کی گئی ہیں[1]"

ب۔ آخری سورتوں کے انتخاب کی حکمت

پھر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا مولانا نے تفسیر کے لیے قرآن مجید کی آخری سورتوں کا انتخاب ایک خاص مقصد کے لیے فرمایا ہے اور وہ مقصد یہ ہے۔ کہ ان سورتوں میں احکام اور مسائل کے بجائے۔ تین بنیادی عقائد۔ خدا، آخرت اور رسالت کے بارے میں ذہن سازی کی گئی۔ لہذا تذکیر و موعظہ کے نقطۂ نگاہ سے، ان سورتوں کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں ہو سکتی۔

ان سورتوں کے انتخاب کی دوسری وجہ بقول مؤلف یہ ہے، کہ:

عام طور پر لوگ شکایت کرتے ہیں، کہ نماز میں خیال بھٹک جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی دماغ کسی وقت بھی خالی نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نماز کی حالت میں اُسے مصروف رکھا جائے۔ بزرگانِ دین نے اس کا طریقہ یہ تبلایا ہے، کہ نمازی (خواہ مقتدی ہو

---

[1] تفسیر سورۂ یٰس، ص ۸ ۔ نیز آخری سورتوں کی تفسیر، ص ۳، ۵۔

یا امام) یا تنہا نماز پڑھ رہا ہو، ان آیتوں کے معانی پر غور کرتا رہے، جس کی تلاوت کر رہا ہے، اس طرح اس کا ذہن مصروف رہے گا۔ لہذا میں نے ان سورتوں کی تفسیر مرتب کی، جنہیں عام طور پر لوگ نمازوں میں پڑھا کرتے ہیں، اور اسی لیے سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا بھی اضافہ کر دیا ہے، میرا تجربہ اللہ کے فضل سے بہت مفید ثابت ہوا اور لوگوں نے بتلایا کہ سورتوں کا مطلب ذہن نشین کر لینے کے بعد نمازوں میں ان کا خیال نہیں بہکتا۔ اور نماز کے دوران آیتوں کے معانی پر غور کرنے سے خشوع اور خضوع پیدا ہوتا ہے[1]۔

ج اسلوب تفسیر | مولانا نے ان سورتوں کی تفسیر میں حسب ذیل اسلوب کو اختیار فرمایا ہے۔

i ۔ ترجمہ

ii ۔ تعارف

iii ۔ شان نزول (اگر کوئی ہو)

iv ۔ تفسیر

v ۔ خلاصہ

vi ۔ خواص[2]

تفصیل حسب ذیل ہے

۱ ۔ ترجمہ : کسی بھی تفسیر میں ۔ قرآنی آیات کے ترجمے کا مطالعہ، اس کی تفسیری مقام کے جاننے کے لیے بہت اہم ہے، اس لیے کہ ترجمہ نہ صرف "مختصر تفسیر" ہوتا ہے ۔ بلکہ وہ تفسیری مباحث کی حیثیت اول کا کام بھی دیتا ہے ۔

مولانا نے اپنی زیر نظر دونوں کتابوں میں، سورتوں کا جو ترجمہ لکھا ہے ۔ وہ ان کا خود اختیار کردہ ترجمہ ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے ۔ کہ یہ ترجمہ عام فہم، سلیس اور رواں دواں ہے۔ مثال کے طور پر ۔ آپ نے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ۔

---

[1] آخری سورتوں کی تفسیر، ص ۳ ۴ ۔

[2] فہرست عنوانات ۔ آخری سورتوں کی تفسیر

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے، تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جو کائنات کا پالنے والا ہے، جو رحمان اور رحیم ہے، جو بدلے کے دن کا مالک ہے۔ (اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا۔ اور نہ ان لوگوں کا راستہ جو بھٹک گئے۔[1]

یٰس۔ قسم ہے حکمت والے قرآن کی بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں، سیدھی راہ پر ہیں۔[2]

دیے گئے ترجمہ سے بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہاشمی صاحبؒ کو قرآنی الفاظ و جملوں پر عبور کے ساتھ ساتھ، آسان اور "عام فہم" اردو لکھنے کا کتنا ملکہ حاصل تھا، اور یہ کہ انہوں نے اس آسان اور سلیس ترجمے کے ذریعے، قرآن کریم کے پیغام کو عوام الناس تک پہنچانے کے لیے کس طرح بھرپور انداز میں زبان و بیان سے کام لیا ہے۔ سورۂ یٰس اور دوسری سورتوں کے ترجمے کا بھی یہی حال ہے۔

اا۔ تعارف: تعارف کے عنوان کے تحت، مولانا۔ زیر بحث سورۃ کے بارے میں اس کے شانِ نزول سے لے کر، اس کے موضوع اور مضامین تک۔ تمام بنیادی اور اہم باتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اس تعارف سے "ذہن" آئندہ آنے والی سورۃ اور اس کے مضامین و موضوع سے پوری طرح آشنا ہو جاتا ہے۔ اور ذہن میں زیر بحث سورۃ کے مضامین کے متعلق "تشویش" پیدا ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر مولانا سورۂ فاتحہ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"یہ سورۃ پاک مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ اس میں سات آیتیں ستائیس کلمے اور ایک

---

[1] آخری سورتوں کی تفسیر، ص ۱۱۔
[2] تفسیر سورۂ یٰس۔ ۵۸

سو چالیس حروف ہیں، قرآن پاک کی یہ پہلی اور سب سے اہم سورۃ ہے، چونکہ یہ پہلی سورۃ ہے اس لیے اس کو فاتحۃ الکتاب کہتے ہیں، یعنی وہ سورۃ جس سے قرآن شروع ہوتا ہے، حدیثوں میں اس سورۃ کی بیشمار فضیلتیں آئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعبؓ کو یہ سورۃ بتلائی اور فرمایا کہ قرآن میں ایسی کوئی سورۃ نہیں ہے۔ ایک مرتبہ اس سورۃ کو آپ نے قرآن مجید کی سب سے بڑی اور سب سے بہتر سورۃ بھی فرمایا ہے۔ حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے توریت اور انجیل کسی بھی کتاب میں سورۂ فاتحہ جیسی کوئی سورۃ نازل نہیں فرمائی۔ غور طلب بات یہ ہے۔ کہ اس سورۃ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی اہمیت کیوں دی؟ اور کیا وجہ ہے۔ کہ اسے نماز کی ہر رکعت میں پڑھنا واجب قرار دیا گیا۔ اگر اس سورۃ کے مطلب پر غور کیا جائے، تو یہ بات بالکل صاف طور پر ظاہر ہو جائے گی، کہ یہ سورۃ درحقیقت پورے قرآن کا عطر ہے۔ دین کی ساری بنیادی باتیں ایک چھوٹی سی سورۃ میں ہیں۔ دین کے بنیادی تصورات یہ ہیں:

۱۔ خدا کی ذات وصفات۔

۲۔ جزا وسزا کا تصوّر۔

۳۔ آخرت کا یقین۔

۴۔ فلاح اور سعادت کا راستہ۔

غور کیجئے کہ ایک چھوٹی سی سات آیتوں والی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے تمام باتوں کو نہایت سہل اور دل موہ لینے والے انداز میں بیان فرمایا ہے۔۔۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ اس سورۃ کا انداز دعائیہ رکھا گیا ہے تاکہ بندہ باربار اس کو دہراتا رہے۔ اور اس طرح دین کی بنیادی باتیں اس کے جی میں بیٹھتی چلی جائیں۔[1]

یہاں یہ امر دلچسپی کا باعث ہوگا کہ مولانا نے تعارف میں سورۃ کی اہمیت کے پیش نظر کسی جگہ ایجاز سے اور کسی جگہ تفصیل سے کام لیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ کا تعارف دو صفحات

---

[1] آخری سورتوں کی تفسیر ص ۱۲ - ۱۳

میں، لکھا گیا ہے۔ جبکہ سورۂ یٰس کے تعارف کے لیے جسے "مقدمہ" کا نام دیا گیا ہے۔ مولانا نے تقریباً ۴۹ صفحات تحریر فرمائے ہیں [1]

اسطرح انہوں نے کسی جگہ تفصیل سے اور کسی جگہ اختصار سے کام لیا ہے۔

۱۱۱۔ **شانِ نزول (اگر کوئی ہو)**: سورۃ کا "تعارف" پیش کرنے کے بعد، مولانا زیر بحث سورۃ کا "شانِ نزول" بیان کرتے ہیں۔ بشرطیکہ تفسیری کتابوں میں اس موضوع پر مواد موجود ہو۔ اسی لیے "شان نزول" کا ہر سورۃ کے تحت ذکر نہیں کیا گیا۔

جن سورتوں کا شانِ نزول بیان کیا گیا ہے، ان میں سورۃ الضحٰی، سورۂ الم نشرح، سورۃ القدر، سورۃ التکاثر، سورۃ العصر، سورۃ الھمزہ، سورۃ الماعون، سورۃ الکوثر، سورۃ الکافرون، سورۃ النصر، سورۃ ابی لہب، سورۃ اخلاص اور "معوذتین" کا ذکر کیا جاسکتا ہے، ان تمام سورتوں کے واقعہ ہائے شانِ نزول کا تفسیری مجموعے میں ذکر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ الضحٰی کے شان نزول میں آپ فرماتے ہیں:

"جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں علانیہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا شروع کیا اور اعلان نبوت فرمایا۔ تو مکّہ کے کافروں نے مدینہ منورہ کے یہودیوں کے پاس آدمیوں کو بھیجا کہ ہمارے شہر میں ایک آدمی ظاہر ہوا ہے، جو خود کو نبی بتلاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میرے پاس اللہ تعالٰی کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے، چونکہ آپ لوگ اہل کتاب ہیں اور تورات کے ذریعے آپ کو پیغمبروں کی بہت سی نشانیاں معلوم ہوچکی ہیں، اس لیے آپ لوگ ہمیں بھی چند نشانیاں بتلائیں تاکہ ہم لوگ آزما کر پتہ چلائیں کہ یہ نبی اپنے دعوے میں سچے ہیں یا جھوٹے۔ مدینہ منورہ کے یہودیوں نے کہلا بھیجا کہ ان سے آپ لوگ تین باتیں دریافت کریں۔

پہلی بات یہ کہ سکندر ذوالقرنین کون تھا؟ اور ان کے کیا حالات تھے۔

دوسرے اصحاب کہف کا قصہ

تیسرے روح کی حقیقت۔

---

[1] دیکھئے سورۂ یٰس کی تفسیر، ص ۹ - ۵۷

مکہ معظمہ کے کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فوراً آئے اور یہی سوالات آپ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ آپ نے فرمایا کہ ان تینوں سوالوں کے جواب کل دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل جواب دینے کا وعدہ تو فرمایا۔ لیکن "انشاء اللہ" کا کلمہ آپ کی زبان مبارک پر نہ آیا۔ چنانچہ کئی دن تک وحی نہ آئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے انتظار میں جواب نہ دے سکے۔ بس پھر کیا تھا۔ کافروں نے ایک طوفان برپا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنے دینے لگے۔ چنانچہ ابولہب کی بیوی نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر مذاق اڑاتے ہوئے کہا... میں تیرا شیطان آج کل نہیں دیکھتی ہوں۔ شاید وہ تجھ کو چھوڑ کر چلا گیا۔ خود ابولہب بھری مجلس میں کہتا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے خدا نے چھوڑ دیا اور ان سے ناخوش ہو گیا ہے.... اپنے محبوب کو مناسب تنبیہ کرنے کے بعد رحمت خداوندی جوش میں آئی اور یہ سورۃ کریمہ نازل ہوئی[1]

(۷) تفسیر: سورتوں کے شان نزول کے بیان کے بعد۔ مولانا اصل مسئلے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور سورتوں کی تفسیر اپنے خصوصی انداز میں بیان فرماتے ہیں۔

مولانا نے تفسیر بیان کرنے کا جو اسلوب اختیار فرمایا ہے۔ وہ متأخرین کے بجائے متقدمین کے اسلوب کے زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ۔ امام الزمخشری، القرطبی اور دوسرے نامور مفسّرین کی طرح شروع میں پوری سورۃ نقل فرماتے ہیں اور پھر اس سورۃ کی، چھوٹے چھوٹے قطعات کی صورت میں، تفسیر بیان فرماتے ہیں، یہ انداز انسانی" وجدان "، کے زیادہ قریب ہے۔

اس اسلوب بیان کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ اس سے سورۃ کے ہر حصّے پر یکساں توجہ دی جاتی ہے۔ اور کسی حصّے کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ مثال کے طور پر سورۂ یٰس کی ابتدائی آیات کی تفسیر کا اسلوب حسب ذیل ہے:

یٰس: یٰس حروف مقطعات میں سے ہے، قرآن کریم کی اکثر سورتوں کے شروع میں اس طرح کے حروف آپ کو ملیں گے، جیسے الم، کٰھٰیٰعٰص، حٰم، عٰسٓق وغیرہ۔ عام مفسرین

---

[1] آخری سورتوں کی تفسیر۔

کا خیال یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے سوا ان حروف کا مفہوم کسی کو معلوم نہیں، تاہم بعض مفسرین نے ان حروف سے معانی نکالنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ۔ عکرمہؓ اور حسن بصریؒ کا خیال ہے کہ یٰس کا مطلب ہے: یا انسان مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بعض کہتے ہیں۔ کہ "یٰس" کا مطلب یا سید ہے، اس سے بھی مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ بہر صورت اس لفظ کا مطلب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح طور پر معلوم ہے۔

والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین: ترجمہ قسم ہے حکمت والے قرآن کی، بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے حکمت سے بھرے ہوئے قرآن کی قسم کھا کر، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلیل لا رہا ہے، اس لیے کہ جس زمانے میں یہ سورۃ مبارکہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تھی وہ شدید مشکلات، مصیبتوں، سخت انکار اور ظلم وجور کا زمانہ تھا۔ یہ وہی دور تھا، جب گلاب جیسے پائے مبارک کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ گھر کی بڑی بوڑھیاں دن بھر کا کوڑا کرکٹ جمع کر کے رکھتی تھیں کہ شام کے وقت جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی گلی سے گذریں گے، تو ان پر کوڑا پھینکا جائے گا۔ کوڑا پھینکا بھی جاتا۔ مگر وہ جو ساری دنیا کے دلوں اور معاشروں سے کوڑا کرکٹ صاف کرنے آیا تھا۔ مسکرا کر گھر والوں کو دیکھتا اور دعا دیتا ہوا گذر جاتا..... اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے سارے عالمِ انسانیت کے سردار۔ میں اپنے اس قرآن کی قسم کھا کر کہتا ہوں، جو سارے جہاں کی حکمتوں سے بھرا ہوا ہے ان پاگلوں اور جاہلوں کی بدتمیزیوں سے آپ دل برداشتہ نہ ہوں، آپ میرے سچے رسولوں میں سے ایک ہیں [1]۔!!

اسلوب بیان پر اگرچہ صوفیانہ اور واعظانہ رنگ غالب ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ آیات کی تفہیم کا جو اساسی مقصد ہے، وہ قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں حسن اور دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ سورتوں کا یہ تفسیری حصہ ضخامت اور نفس مضمون کے اعتبار سے تفسیری مباحث کی اصل جان ہے۔

---

[1] تفسیر سورۃ یٰس۔ ص ۵۹ - ۶۰۔

۷ - خلاصہ : سورتوں کی تفسیر کے بعد، مولانا چند الفاظ میں پوری سورۃ کے مضامین کا خلاصہ اور عطر پیش کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے۔ کہ قاری کے ذہن میں وہ بنیادی باتیں اچھی طرح بٹھا دی جائیں، جو اس سورۃ کے مطالعے کے بعد سامنے آئی ہیں۔ مثال کے طور پر آپ سورۃ التین کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

اس سورۃ پاک پر اگر گہری نظر ڈالی جائے۔ تو یہ ماننا پڑے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے لے کر، اس کی عاقبت تک کے سارے مراحل اور ان کی ضروریات کو نہایت ہی مختصر طریقہ پر بتلا دیا ہے، چنانچہ پہلے تو اس نے چند مفید اور مقدس اشیاء و مقامات کی قسمیں کھائی ہیں۔ تاکہ سننے والا یہ سمجھ لے کہ آئندہ جو باتیں بتلائی جائیں گی۔ وہ بہت مفید اور اہم ہوں گی۔ اور اس کے بعد بتلایا کہ اس نے انسان کو نہایت معقول شکل و صورت اور مناسب صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا۔ تاکہ وہ قدرت کی عطا کردہ طاقتوں کو استعمال کر کے نیکی اور پرہیزگاری کا راستہ اختیار کرے اور اس طرح دنیا کی حاکمیت اور آخرت کی عزّت کا وارث بنے اور اس کے بعد یہ بھی واضح کر دیا کہ میرے دربار کے بھگوڑوں کے لیے ذلت و رسوائی کا بہت ہی ہولناک گڑھا ہے۔ ہاں وہ لوگ جو ایمان لائیں گے، اور اپنے کردار کو پاکیزہ بنائیں گے، میری دنیا کی نعمتوں کے سارے خزانے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ اور میری جنتوں کی ساری لذتیں ان کا انتظار کر رہی ہیں، لیکن وہ جن کی آنکھوں پر ہوس کی پٹی بندھی ہوئی ہے اور جو میرے دین کی صداقتوں کے منکر ہیں ان کے لیے میرا آخری فیصلہ ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہے [1]

۸ - خواص : مولانا نے زیرِ نظر تفسیر کے مجموعوں میں ایک جدّت یہ اختیار فرمائی ہے۔ کہ ہر سورۃ کی تفسیر کے آخر میں، اس سورۃ کے خواص بھی درج فرما دیے ہیں، اور ان سے عوام الناس کو استفادہ کرنے کے لیے۔ ان کی اجازت عام عطا کر دی ہے۔ چنانچہ سورۃ یٰس کی تفسیر کے دیباچے میں لکھتے ہیں :

نوٹ : آخر میں سورۂ یٰس شریف کے چند آزمودہ خواص دیے ہیں، تاکہ اگر

---

[1] آخری سورتوں کی تفسیر، ص ۶۲ - ۶۳

کوئی صاحب عقیدے کی صحت کے ساتھ ان سے فائدہ اُٹھانا چاہیں، تو اس نوع کا فائدہ بھی اٹھا سکیں۔ طہارت اور پکے عقیدے کے ساتھ ان عملیات سے کام لینے والے شخص کو اجازت دی جاتی ہے"[1]

اسی طرح آخری سورتوں کی تفسیر کے مجموعہ کے دیباچہ میں ہے:

"اس اشاعت میں سورتوں کے خواص کا بھی اضافہ کر دیا گیا۔ تاکہ عام لوگ ان سے اس نوع کا بھی فائدہ اٹھا سکیں"[2]

سورتوں کے یہ خواص اگرچہ "تفسیری ادب" کا حصّہ نہیں ہے، اسی لیے مولانا انھیں تفسیر سے فراغت کے بعد مستقل عنوان کے تحت الگ سے نقل فرمایا ہے۔ لیکن ان خواص کا تعلق ان سورتوں کی تلاوت اور ان سے استفادے سے ضرور ہے۔ اور پھر اس سے قرآن مجید کی حسب ذیل آیت کی تعبیر سامنے آتی ہے:

وننزل من القرآن ما هو شفاءٌ ورحمةٌ للمؤمنين[3]

"اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں، جو مؤمنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے"

سورتوں کے یہ خواص ان کی اہمیت کے پیش نظر مختلف ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

نمبر شمار نام سورۃ	خواص کی تعداد
١ ۔ یٰس	٢٠
٢ ۔ فاتحہ	١٢
٣ ۔ الضحیٰ	٢
٤ ۔ الم نشرح	١١

---

[1] تفسیر سورۃ یٰس، ص ٨ ۔

[2] آخری سورتوں کی تفسیر، ص ٥ ۔

[3] بنی اسرائیل ۔ ٨١ ۔

۵ ۔ التین	۲
۶ ۔ اقراء	۳
۷ ۔ القدر	۱۰
۸ ۔ البینہ	۴
۹ ۔ الزلزال	۶
۱۰ ۔ العادیات	۴
۱۱ ۔ القارعہ	۳
۱۲ ۔ التکاثر	۴
۱۳ ۔ العصر	۵
۱۴ ۔ الہمزہ	۳
۱۵ ۔ الفیل	۳
۱۶ ۔ القریش	۱۰
۱۷ ۔ الماعون	۲
۱۸ ۔ الکوثر	۱۱
۱۹ ۔ الکافرون	۶
۲۰ ۔ النصر	۵
۲۱ ۔ اللہب	۲
۲۲ ۔ الاخلاص	۱۲
۲۳ ۔ معوذتین	۵

سورتوں کے یہ خواص مولانا نے مختلف مفسرین کی کتابوں اور احادیث و روایت اور دیگر علماء کی تحریروں سے لیے ہیں ۔ اور ان سے صحیح استفادہ کرنے کے لیے ظاہری اور قلبی طہارت کو شرط قرار دیا ہے ۔

۷ ۔ **خصوصیات** تفسیر کے یہ دونوں مجموعے حسب ذیل خصوصیات کے حامل ہیں :

د۔ مقصد اساسی کی تکمیل : جیساکہ سطور بالا میں ذکر کیا گیا۔ تفسیر کی ہر کتاب کا کوئی نہ کوئی اہم (MAIN) مقصد ہوتا ہے۔ جس کو سامنے رکھ کر، وہ تفسیر لکھی جاتی ہے۔ زیرنظر مجموعے کا اہم مقصد وعظ و تذکیر بالآیات ہے۔ اور یہ کہنا بجا ہوگا، کہ یہ مجموعہ سو فیصد اپنے مقصد کی تکمیل کرتا ہے۔

ا۔ نفسیاتی اسلوب بیان : "وعظ و تذکیر" کا موضوع انسانی رشد و فلاح کے بہت زیادہ قریب ہے۔ اسی لیے اگر اس کے لیے مناسب طریقہ اختیار کیا جائے، تو اس کے مفید اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید نے وعظ و تذکیر کے لیے انسانی نفسیات کو پوری طرح پیش نظر رکھا ہے۔ زیر نظر تفسیری مجموعوں میں بھی ہمیں یہی انداز نظر آتا ہے

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، کہ زیر نظر مجموعوں کا اسلوب بیان ایسا ہے۔ جس میں براہ راست انسانی جذبات و احساسات سے اپیل کی گئی ہے، اور ایسا لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہے جس سے انسانی کان بات سننے کے لیے، اور دل قبول کرنے کے لیے آسانی سے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر، "توحید" کے عنوان کے تحت آپ لکھتے ہیں :

حضرت ابو بکرؓ صدیق رضی اللہ عنہ گھبرا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے سرکار اب تو وہ اتنے قریب آگئے ہیں۔ کہ اگر وہ اپنی ایڑیوں پر دیکھیں تو ہمیں دیکھ لیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو قرآن کی زبان میں جواب دیا : لاتحزن ان اللہ معنا (نہ غمگین ہو۔ بیشک اللہ ہم لوگوں کے ساتھ ہے) ۔ یہ ارشاد فرمایا اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رانوں پر سر رکھ کر سو گئے، جب آدمی کو قتل کرنے کے لیے تین سو ننگی تلواریں گھوم رہی ہوں۔ دشمن سر پہ کھڑا ہو، منٹ بھر میں سب کچھ ہو سکتا ہو، اس کا اپنا دوست کی رانوں پر سر رکھ کر سو جانا کس کا کرشمہ ہے؟ یہ کرشمہ تھا استقامت کا۔ یعنی یہ کہنا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ حیات و موت۔ نفع و نقصان بھلائی و برائی، صحت و مرض اور روزی کی فراخی و تنگی کا مالک اور پھر اس عقیدے پر جم جانا پہاڑ کی طرح۔ اور یہ یقین دل میں بٹھا لینا کہ اگر وہ نہ مارنا چاہے۔ تو تین سو تو کیا تین ہزار اور تین لاکھ تلواریں بھی مجھے نہیں مار سکتیں اور اگر وہ مجھے مارنے کا ارادہ کرے تو ایک ادنیٰ سے ادنیٰ کیڑے کے ذریعے وہ مجھے ہلاک کر سکتا ہے۔[1]

---

[1] تفسیر سورۃ یٰس، ص ۱۷ ۔ ۱۸ ۔

اس عبارت میں مولانا انسانی جذبات واحساسات سے براہِ راست مخاطب ہیں۔ اور اسی لیے اندازِ تحریر پہ، تقریر یعنی گفتگو کا رنگ غالب ہے۔ لگتا ہے کہ کوئی فصیح و بلیغ مقرر اپنے ہزاروں سامعین کے جذبات سے مخاطب ہے اور وہ انھیں ترتیبِ نفس، اور اصلاحِ باطن کے لیے، ان کے دلوں کو موم بنا کر، اللہ اور اس کے رسول کی منشا کے مطابق موڑنا اور ڈھالنا چاہتا ہے۔ اور وہ مشکل اور ثقیل الفاظ اور ترکیبیں استعمال کر کے۔ اپنی عالمیت نہیں بگھار رہا، بلکہ وہ سادہ، مؤثر اور دلنشیں عبارت کے ذریعے انسانی قلوب کو منا رہا ہے۔ سوئے ہوئے دلوں کے لیے مرہم فراہم کر رہا ہے، وہ مجرموں کے لیے نرم گوشہ اور شفیق و مہربان دل رکھتا ہے۔ اسی لیے اس کی زبان سے نکلے ہوئے بول دلوں کے زخم مندمل کرتے اور ذہنوں کو نئی آب و تاب فراہم کرتے ہیں:

ii۔ **فصاحت وبلاغت**: انسانی نفسیات سے آشنائی پیدا کرنے کے لیے فصاحت و بلاغت کا انداز پیدا کرنا پڑتا ہے، یا پھر یہ کہ فصاحت و بلاغت درحقیقت انسانی جذبات و نفسیات سے ہم آہنگی پیدا کرنے سے عبارت ہے۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ زیرِ نظر تفسیری مجموعوں میں فصاحت و بلاغت کی چاشنی موجود ہے۔ جس کی بنا پر، تفسیر کا مجموعی تاثر، دلنشین اور مؤثر اور مربوط نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر سطور بالا میں جو اقتباس نقل کیا گیا ہے، اس میں تین سو جنونی قاتلوں کو "تین سو ننگی تلواروں کا گھومنا" قرار دیا گیا ہے، اسی طرح حضرت صدیق اکبر کی طرف سے حضور کے لیے لفظ "سرکار" کا استعمال اور استفہامیہ انداز گفتگو اسی فصاحت و بلاغت کا آئینہ دار ہے۔ تمام کتاب میں یہ رنگ موجود ہے جس کی بنا پر، ان دونوں مجموعوں، بالخصوص سورۂ لیل کی تفسیر میں اتنی چاشنی موجود ہے، کہ انسان کا ایک ہی نشست میں اسے ختم کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اور یہ بات کسی کتاب کی مقبولیت کے لیے کافی ہے۔

iii۔ **قصص وحکایات**: مولانا روم کا شعر ہے:

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

چنانچہ مولانا نے بھی تفسیر کے ان دونوں مجموعوں میں متعدد تمثیلی قصص اور حکایات نقل فرمائی ہیں، جس سے تحریر میں دلچسپی (ATRECTION) پیدا ہوگئی ہے جیساکہ سورۃ یٰس کی تفسیر میں چار حکایات کا اور سورۃ البینہ کی تفسیر میں ایک حکایت کا ذکر آیا ہے۔

سورۂ یٰس کی تفسیر میں جن واقعات اور قصص کا ذکر آیا ہے، ان میں بنی اسرائیل کے ایک عابد زاہد اور ایک کتّے کا واقعہ، حضرت ابراہیمؑ اور آگ کے گل وگلزار ہونے کا قصّہ، حضرت عمر فاروق کا اپنی تعریف کرنے والے شخص کو جواب دینے کی حکایت، حضرت عمرؓ کے زمانے میں شیر فروش عورت اور اس کی باکمال، ایماندار بیٹی کا واقعہ، حضرت موسیٰؑ کی نقل اتارنے والے مسخرے کا قصّہ اور حضرت ابراہیم بن ادھم کے اور اونٹ والے مسافروں کی حکایت، جو شاہی محل میں قیام کرنا چاہتے تھے، شامل ہیں۔ اسی طرح دوسری سورتوں کی تفسیر میں بھی آپ نے مختلف واقعات اور قصص کا مناسب طور پر ذکر فرمایا ہے اور ان سے بھرپور نتائج اخذ کیے ہیں مثال کے طور پر ایک عابد زاہد اور ایک کتّے کی تمثیل بیان کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں:

"اگرچہ یہ ایک معمولی سی حکایت ہے، لیکن سوچنے اور غور کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی باتیں پوشیدہ ہیں، بس ثابت ہوا، کہ توحید کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے، کہ انسان اسے ایک مرتبہ مالک کہہ کر پکار دے بس عاجزی کے ساتھ اسی کے دروازے پر بیٹھا اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا رہے، اور چاہے کچھ بھی ہو جائے، اس کا دروازہ چھوڑ کر دوسرے کے دروازے پر نہ جائے"[1]

یہ حکایت اور اسی طرح کی بعض دیگر حکایات اگرچہ روایت کے نقطۂ نگاہ سے کمزور ہیں، لیکن مولانا نے ان حکایات سے جو نتائج اخذ کیے ہیں، ان کے درست اور برمحل ہونے سے انکار ممکن نہیں۔

۱۱۔ اشعار کا استعمال: ارشادِ نبوی:

ان من البیان لسحرًا وان من الشعر لحکمة۔

---

[1] تفسیر سورۃ یٰس، ص ۱۳،

"بعض بیان جادو اور کچھ اشعار حکمت کا خزینہ ہوتے ہیں"
اشعار کی اس فہرست میں اردو اور فارسی زبانوں کے اشعار شامل ہیں :

چند اشعار حسب ذیل ہیں

ہر حال میں راضی بہ رضا ہو تو مزہ دیکھ　　دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ[1]
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا　　اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا　　زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا[2]
خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں　　بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو　　خدا کے بندوں سے پیار ہوگا[3]
قباؤں میں پیوند پتھر شکم پر　　قدم تلے تاج کسریٰ و قیصر[4]
بتاؤں آپ کو مرنے کے بعد کیا ہوگا　　پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا
تربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا　　شمعیں بھی جلاؤ تو اجالا نہیں ہوتا[5]
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے　　یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے[6]
کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہے　　کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا جہاں پہ شام و سحر　　کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے[7]

---

[1] تفسیر سورۃ یٰسٓ ، ص ۲۲
[2] ایضاً " ، ص ۲۵
[3] ایضاً " ، ص ۲۷
[4] ایضاً " ، ص ۳۹
[5] ایضاً " ، ص ۴۹
[6] ایضاً " ، ص ۵۰
[7] ایضاً " ، ص ۵۲

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے — مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی[1]

لاکھ آفتاب پاس سے ہو کر گذر گئے — ہم بیٹھے انتظار سحر دیکھتے رہے[2]

یہ ہے اپنی اپنی قسمت یہ نصیب اپنا اپنا — کوئی پھول چن کے لایا کوئی خار گلستاں سے[3]

خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے[4]

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا — ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا

جو کچھ ہوا ہوا کرم سے تیرے — جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا[5]

گل اسی شاخ سے ٹوٹتے بھی رہے — اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے

سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات — ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقش حیات[6]

دل بیدار فاروقی دل بیدار کراری — مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک — نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری[7]

۲ - فارسی اشعار :

گفت معشوقے بعاشق کے فتی — تو بغربت دیدۂ بس شہر

بس کدامی شہر زآنہا خوشتر است — گفت آں شہرے کہ در وے دلبر است

بے تو جنت دوزخ است اے دلربا — با تو دوزخ جنت است اے جانفزا[8]

گندم از گندم بروید جو ز جو — از مکافات عمل غافل مشو[9]

---

[1] تفسیر سورۃ یٰس ، ص ۶۰

[2] ایضاً ، ص ۶۹

[3] ایضاً ، ص ۷۵

[4] ایضاً ، ص ۹۷

[5] ایضاً ، ص ۱۴۷

[6] ایضاً ، ص ۱۸۰

[7] ایضاً ، ص ۱۸۳

[8] ایضاً ، ص ۱۶۴ - ۱۶۵

[9] ایضاً ، ص ۱۷۲

یہ شعار جہاں جہاں آئے، وہاں نفس مضمون کو اجاگر کرتے اور اس کے پیرایۂ بیان کو زیادہ مؤثر بناتے ہیں۔

۷۔ **سائنسی اکتشافات سے استفادہ:** ان سورتوں کی تفسیر میں مولانا نے ایک جائز اور مناسب حد تک سائنسی اکتشافات سے بھی استفادہ کیا ہے اور سائنسی معلومات سے اپنی گفتگو کو مؤثر اور دلنشیں بنایا ہے، مثال کے طور پر۔ سورۃ یٰس کی آیت نمبر ۳۵ کے تحت آپ لکھتے ہیں:

> جدید سائنس نے صدیوں کی تحقیق کے بعد اب اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ کائنات کی ہر صنف میں نر و مادہ کا وجود ہے یہاں تک کہ حیوانات سے گذر کر نباتات بلکہ جمادات میں بھی نر و مادہ ہیں، جن کے باہمی ملاپ سے کائنات کی یہ چیزیں پیدا ہو رہی ہیں، پل رہی ہیں، بڑھ رہی ہیں۔[۱]

اسی طرح آیت نمبر ۴۰ کے تحت آپ لکھتے ہیں:

یہ زمین جس نظام شمسی میں شامل ہے اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اس کا مرکز سورج زمین سے تین لاکھ گنا بڑا ہے اور اس کے بعید ترین سیارے نیپچون کا فاصلہ سورج سے کم از کم دو ارب نوکروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ بلکہ اگر پلوٹو کو بعید ترین سیارہ مانا جائے تو وہ سورج سے چار ارب ساٹھ کروڑ میل دور تک پہنچ جاتا ہے۔ اس عظمت کے باوجود ہمارا یہ نظام شمسی ایک بہت بڑے کہکشاں کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے، جس کہکشان میں ہمارا یہ نظام شمسی شامل ہے اس میں تقریباً تین ہزار ملین (۳ ارب) آفتاب پائے جاتے ہیں، اور اس کا قریب ترین آفتاب ہماری زمین سے اس قدر دور ہے، کہ اس کی روشنی یہاں تک پہنچنے میں ۴ سال صرف ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہکشان بھی پوری کائنات نہیں ہے۔ بلکہ اب تک کے مشاہدات کی بنا پر اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ تقریباً ۲۰ لاکھ کوکبی سحابیوں میں سے ایک ہے اور ان میں سے قریب ترین سحابیئے کا فاصلہ ہم سے اس قدر زیادہ ہے کہ اس کی روشنی ۱۰ لاکھ سال میں ہماری زمین تک پہنچتی ہے، ارہے

---

[۱] تفسیر سورۃ یٰس، ص ۱۴۱

بعید ترین اجرام فلکی ۔ ان کی روشنی ۱۰ کروڑ سال میں پہنچتی ہے[1]

۷۔ حرف آخر

قرآن مجید کی تفسیر ایک ایسا موضوع ہے ، جس کی کوئی انتہا نہیں ہے ، اس لیے کہ یہ علم اس کلام الٰہی کی تعبیر و تفسیر بیان کرنے سے عبارت ہے جسے خالق کائنات نے اپنی محبوب ترین ہستی پر ، نہایت شان و شوکت کے ساتھ نازل فرمایا ہے ، اور جب خود خالقِ کائنات کی خوبیوں کا انسانی علم احاطہ نہیں کر سکتا ۔ تو اس کی کلام کے محاسن کا کیونکر اندازہ کیا جا سکتا ہے ، اس لیے بقول شیخ سعدی یہاں تو حال یہ ہوتا ہے :

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را بیاں پایاں
بمیرد مستسقی و در یا ہمچناں باقی

تاہم " دریاے علم " جاری و ساری رہتا ہے اور اس کی کوئی انتہا نہیں ہے ، لیکن مجموعی طور پر ، مولانا محمد متین ہاشمی کی مرتب کردہ تفسیر قرآن کے یہ دونوں مجموعے :

۱ ۔ تفسیر قرآن کی جملہ خصوصیات کے حامل ہیں ۔

۲ ۔ ان میں پڑھنے والوں کے لیے بہت سے حقائق و معارف پائے جاتے ہیں ،

۳ ۔ اپنی بے پناہ خوبیوں کے باعث امید ہے ۔ ان سے تادیر استفادے کا سلسلہ جاری و ساری رہے گا ۔

اللہ تعالیٰ ان کے مرتب پر اپنی رحمتیں نچھاور کرے اور ان کے درجات بلند فرمائے ۔ آمین

---

[1] تفسیر یٰسین ص ۱۲۸ ۔ ۱۲۹